

ممکن ہی نہ تھا جو دنیا کے اندر سے ہو کر گزرتا ہو۔ ان کے نزدیک روح کو پروان چڑھنے کے لئے جسم کو مضحک کرنا ضروری تھا اس لئے انہوں نے ایسی ریاضتیں ایجاد کیں جو نفس کو مارنے والی اور جسم کو بے حس و حال کر دینے والی ہوں۔ روحانی تربیت کے لئے جنگلوں پہاڑوں اور عزالت کے گوشوں کو انہوں نے موزوں ترین مقامات سمجھا تاکہ تمدن کا ہنگامہ گیان و صیانت کے مشغلوں میں خلل نہ ڈالنے پائے۔ روح کے نشوونما کی کوئی صورت انہیں اس کے سوا ممکن نظر نہ آئی کہ دنیا اور اس کے دھندوں سے ویشکس ہو جائیں اور ان ساریے رشتوں کو کاٹ پھینکیں جو اسے مادیات کے عالم سے وابستہ رکھتے ہیں۔

پھر جسم و روح کے اس تضاد نے انسان کے لئے کمال کے بھی دو مختلف مفہوم اور نصب العین پیدا کر دیئے۔ ایک طرف دنیوی زندگی کا کمال جس کا مفہوم یہ قرار پایا کہ انسان صرف مادی نعمتوں سے مالا مال ہو، اور اس کی انتہا یہ ٹھہری کہ آدمی ایک اچھا پرندہ، ایک بہترین مگر مچھ، ایک عمدہ گھوڑا اور ایک کامیاب بھیڑیا بن جائے۔ دوسری طرف روحانی زندگی کا کمال جس کا مفہوم یہ قرار پایا کہ انسان کچھ فوق انسانی طاقتوں کا مالک ہو جائے اور اس کی انتہا یہ ٹھہری کہ آدمی ایک اچھا ریڈیو سیٹ، ایک طاقت ور ویدین اور ایک نازک خوردبین بن جائے، یا اس کی نگاہ اور اس کے افعال ایک پورے دو خانے کا کام دینے لگیں۔

اسلام کا نقطہ نظر اس معاملہ میں دنیا کے تمام مذہبی اور فلسفیانہ نظاموں سے مختلف ہے۔ وہ کہتا ہے کہ انسانی روح کو خدا نے زمین پر اپنا خلیفہ مقرر کیا ہے۔ کچھ اختیارات کچھ فرائض اور کچھ ذمہ داریاں اس کے سپرد کی ہیں۔ اور انہیں ادا کرنے کے لئے ایک بہترین اور موزوں ترین ساخت کا جسم اسے عطا کیا ہے۔ یہ جسم اس کو عطا ہی اس لئے کیا گیا ہے کہ وہ اپنے اختیارات کے استعمال اور اپنی متعلقہ ذمہ داریاں کی انجام دہی میں اس سے کام لے۔ لہذا یہ جسم اس روح کا قید خانہ نہیں بلکہ اس کا کارخانہ ہے۔ اور اس روح کے لئے کوئی ترقی اگر ممکن ہے تو اسی طرح ممکن ہے کہ وہ اس کارخانے کے آلات اور طاقتوں کو استعمال کر کے اپنی قابلیتوں کا اظہار کرے۔ پھر یہ دنیا کوئی دارالعداب نہیں ہے جس میں انسانی روح کسی طرح اگر پھنس گئی ہو، بلکہ یہ تو وہ کارگاہ ہے جس میں کام کرنے کے لئے خدا نے اسے بھیجا ہے۔ یہاں کی بے شمار چیزیں اس کے تصوف میں دی گئی ہیں۔ یہاں دوسرے بہت سے انسان ایسی خلافت کے لئے

انجام دینے کے لئے اس کے ساتھ پیدا کئے گئے ہیں۔ یہاں فطرت کے تقاضوں سے تمدن و معیشت معاشرت سیاست اور دوسرے شعبہ ہائے زندگی جس کے لئے وجود میں آئے ہیں۔ یہاں اگر کوئی رومانی ترقی ممکن ہے تو اس کی صورت یہ نہیں ہے کہ آدمی اس کارگاہ سے منہ موڑ کر کسی گوشے میں جا بیٹھے بلکہ اس کی صورت صرف یہ ہے کہ وہ اس کے اندر کام کر کے اپنی قابلیت کا ثبوت دے۔ یہ اس کے لئے ایک امتحان گاہ ہے زندگی کا ہر پہلو اور ہر شعبہ گریا امتحان کا ایک پرچہ ہے۔ گھر، محلہ، بازار، منڈی، دفتر، کارخانہ، مدرسہ، کچہری، فقانہ، چھانڈی پارلیمنٹ، صلح کانفرنس اور میدان جنگ سب مختلف معضلوں کے پرچے ہیں جو اسے کرنے کے لئے دئے گئے ہیں۔ وہ اگر ان میں سے کوئی پرچہ بھی نہ کرے یا اکثر پرچوں کو سادہ ہی چھوڑ دے تو نتیجہ میں آخر صفحہ کے ۱۱ اور کیا پاسکتا ہے۔ کامیابی اور ترقی کا امکان اگر ہو سکتا ہے تو اسی طرح ہو سکتا ہے کہ وہ اپنا سارا وقت اور اپنی ساری توجہ امتحان مینے میں صرف کرے اور جتنے پرچے بھی اسے دئے جائیں ان سب پر کچھ نہ کچھ کر کے دکھائے۔

اس طرح اسلام زندگی کے رامیانہ تنخیل کو رو کر تیاہ اور انسان کے لئے روحانی ترقی کا ساتھ دینا کے باہر سے نہیں بلکہ اس کے اندر سے نکالتا ہے۔ روح کے نشوونما اور بالیدگی اور فلاح و کامرانی کی اصل جگہ اس کے نزدیک کارگاہ حیات کے عین منبھدار میں واقع ہے نہ کہ اس کے کنارے پر۔

اب ہمیں دیکھنا چاہیے کہ وہ ہمارے سامنے روح کی ترقی اور منزل کا معیار کیا پیش کرتا ہے۔ اس سوال کا جواب اسی خلافت کے تصور میں موجود ہے جس کا ابھی میں ذکر کر چکا ہوں۔ خلیفہ ہونے کی حیثیت سے انسان اپنے پورے کارنامہ حیات کے لئے خدا کے سامنے جواب دہ ہے۔ اس کا فرض یہ ہے کہ زمین میں جو اختیارات اور ذرائع اُسے دئے گئے ہیں انہیں خدا کی مرضی کے مطابق استعمال کرے۔ جو قابلیتیں اور طاقتیں اسے بخشی گئی ہیں ان کو زیادہ خدا کی رضا حاصل کرنے میں صرف کرے۔ جن مختلف قسم کے تعلقات میں دوسرے انسانوں کے ساتھ اسے وابستہ کیا گیا ہے ان میں ایسا رویہ اختیار کرے جو خدا کو پسند ہے۔ اور اپنی اپنی تمام کوششیں اور محنتیں اس راہ میں صرف کر دے کہ زمین اور اس کی زندگی کا انتظام اتنا بہتر ہو جتنا اس کا خدا سے بہتر دیکھنا چاہتا ہے۔ اس خدمت کو انسان جس قدر زیادہ احساس و مدامی اور مخلصانہ

اطاعت و فرمانبرداری اللہ مالک کی رضا جوئی کے ساتھ انجام دینا اسی قدر زیادہ وہ خدا سے قریب ہوگا اور خدا کا قرب ہی اسلام کی نگاہ میں روحانی ترقی ہے۔ اس کے برعکس وہ جتنا سست، کاچھرا اور ناقص شناس ہوگا، یا جس قدر سرکش، باغی اور نافرمان ہوگا اتنا ہی وہ خدا سے دور ہوگا اور خدا سے دوری ہی کا نام اسلام کی زبان میں روحانی منزل ہے۔

اس تشریح سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلامی نقطہ نظر سے دین دار اور دنیا دار دونوں کا دائرہ عمل ایک ہی ہے۔ ایک ہی کارگاہ ہے جس میں دونوں کام کرینگے بلکہ دین دار آدمی دنیا دار سے بھی زیادہ انہماک کے ساتھ مشغول ہوگا۔ گھر کی چار دیواری سے لیکر بین الاقوامی تعلقات کے چوراہے تک جتنے بھی زندگی کے معاملات ہیں ان سب کی ذمہ داریاں دین دار بھی دنیا دار کے برابر بلکہ اس سے کچھ بڑھ کر ہی اپنے ہاتھ میں لینگا۔ البتہ جو چیز ان دونوں کے راستے ایک دوسرے سے الگ کر دے گی وہ خدا کے ساتھ ان کے تعلق کی نوعیت ہے۔ دین دار جو کچھ کرینگا اس احساس کے ساتھ کرینگا کہ وہ خدا کے سامنے ذمہ دار ہے اس غرض سے کرینگا کہ اسے خدا کی خوشنودی حاصل ہو اور اس قانون کے مطابق کرینگا جو خدا نے اس کے لئے مقرر کر دیا ہے۔ اس کے برعکس دنیا دار جو کچھ کرینگا غیر ذمہ دارانہ کرینگا، خدا سے بے نیاز ہو کر کرینگا اور اپنے من مانے طریقوں سے کرینگا۔ یہی فرق دین دار کی پوری مادی زندگی کو سرسبز روحانی زندگی بنا دیتا ہے اور دنیا دار کی ساری زندگی کو روحانیت کے نور سے محروم کر دیتا ہے۔

اب میں مختصر طور پر آپ کو بتاؤں گا کہ اسلام دنیوی زندگی کے اس منجھدار میں انسان کے روحانی ارتقاء کا راستہ کس طرح بناتا ہے۔

اس راستہ کا پہلا قدم ایمان ہے، یعنی آدمی کے دل و دماغ میں اس خیال کا بس جاتا کہ خدا ہی اس کا مالک، حاکم اور معبود ہے، خدا ہی کی رضا اس کی تمام کوششوں کا مقصد ہے، اور خدا ہی کا حکم اس کی زندگی کا قانون ہے۔ یہ خیال جس قدر زیادہ سچتہ اور راسخ ہوگا اتنی ہی زیادہ مکمل اسلامی ذہنیت بنے گی اور اسی قدر زیادہ ثابت قدمی کے ساتھ انسان روحانی ترقی کی راہ پر چل سکیگا۔

اس راہ کی دوسری منزل اطاعت ہے، یعنی آدمی کا بالفعل اپنی خود مختاری سے دست بردار

ہو جانا اور عملاً اس خدا کی بندگی اختیار کر لیا جسے وہ عقیدۂ اپنا خدا تسلیم کر چکا ہے۔ اسی اطاعت کا نام قرآن کی اصطلاح میں "اسلام" ہے۔

تیسری منزل تقویٰ کی ہے جسے ہم عام فہم زبان میں فرض شناسی اور احساس ذمہ داری سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ تقویٰ یہ ہے کہ آدمی اپنی زندگی کے ہر پہلو میں یہ سمجھتے ہوئے کام کرے کہ اسے اپنے افکار، اقوال اور افعال کا خدا کو حساب دینا ہے، ہر اس کام سے رک جائے جس سے خدا نے منع کیا ہے، ہر اس خدمت پر کمر بستہ ہو جائے جس کا خدا نے حکم دیا ہے، اور پوری ہوشمندی کے ساتھ حلال و حرام، صحیح و غلط، اور خیر و شر کے درمیان تمیز کرتا ہوا چلے۔

آخری اور سب سے اونچی منزل احسان کی ہے۔ احسان کے معنی یہ ہیں کہ بندے کی مرضی خدا کی مرضی کے ساتھ متحد ہو جائے۔ جو کچھ خدا کو پسند ہے، بندے کی اپنی پسند بھی وہی ہو، اور جو کچھ خدا کو ناپسند ہے، بندے کا اپنا دل بھی اسے ناپسند کرے۔ خدا جن بھائیوں کو اپنی زمین میں نہیں دیکھنا چاہتا، بندہ صرف خود ہی ان سے نہ بچے بلکہ انہیں دنیا سے مٹا دینے کے لئے اپنی تمام قوتیں اور اپنے تمام ذرائع صرف کر دے۔ اور خدا جن بھائیوں سے اپنی زمین کو آراستہ دیکھنا چاہتا ہے، بندہ صرف اپنی زندگی ہی کو ان سے مزین کرنے پر اکتفا نہ کرے بلکہ اپنی جان لٹا کر دنیا بھر میں انہیں پھیلانے اور قائم کرنے کی کوشش کرے۔ اس مقام پر پہنچ کر بندے کو اپنے خدا کا انتہائی قرب نصیب ہوتا ہے اور اسی لئے یہ انسان کے روحانی ارتقا کی بلند ترین منزل ہے۔

روحانی ترقی کا یہ راستہ صرف افراد ہی کے لئے نہیں ہے بلکہ جماعتوں اور قوموں کے لئے بھی ہے۔ ایک فرد کی طرح ایک قوم بھی ایمان، اطاعت اور تقویٰ کی منزلوں سے گزر کر احسان کی انتہائی منزل تک پہنچ سکتی ہے، اور ایک ریاست بھی اپنے پورے نظام کے ساتھ مومن، مسلم، متقی اور محسن بن سکتی ہے۔ بلکہ درحقیقت اسلام کا منشا مکمل طور پر تو لوہا رہی اس وقت ہوتا ہے جبکہ ایک پوری قوم کی قوم اس راہ پر گامزن ہو، اور دنیا میں ایک متقی و محسن ریاست قائم ہو جائے۔

اب روحانی تربیت کے اس نظام پر بھی ایک نگاہ ڈالی لیجئے جو افراد اور ممالک کو اس طرز پر تیار کرنے

کے لئے اسلام نے تجویز کیا ہے۔ اس نظام کے چار ارکان ہیں۔

پہلا رکن نماز ہے۔ یہ روزانہ پانچ وقت آدمی کے ذہن میں خدا کی یاد تازہ کرتی ہے، اس کا خوف دلاتی ہے، اس کی محبت پیدا کرتی ہے۔ اس کے احکام بار بار سامنے لاتی ہے، اور اس کی اطاعت کی مشق کراتی ہے۔ یہ نماز مضمض، انفرادی نہیں ہے بلکہ اسے جماعت کے ساتھ فرض کیا گیا ہے تاکہ پوری سائنسی مجموعی طور پر روحانی ترقی کی اس راہ پر سفر کرنے کے لئے تیار ہو۔

دوسرا رکن روزہ ہے جو ہر سال پورے ایک مہینہ تک مسلمان اذیاد کو فرداً فرداً اور مسلم سوسائٹی کو بحیثیت جمہوری تقویٰ کی تربیت دیتا رہتا ہے۔

تیسرا رکن زکوٰۃ ہے جو مسلمان افراد میں مالی ایثار، آپس کی ہمدردی اور تعاون کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔ سراج کل کے لوگ غلطی سے زکوٰۃ کو ٹیکس کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں، حالانکہ زکوٰۃ کی روح ٹیکس کی اپرٹ سے بالکل مختلف ہے۔ زکوٰۃ کے اصل معنی نشا و نما اور پاکیزگی کے ہیں۔ اس لفظ سے اسلام یہ حقیقت اُٹھتی ہے کہ: ہونہارین کرتا ہے کہ خدا کی محبت میں اپنے بھائیوں کی جو مالی مدد و تم کرو گے اس سے تمہاری سچ کو بالیدگی اور تمہارے اخلاق کو پاکیزگی نصیب ہوگی۔

چوتھا رکن حج ہے۔ یہ خدا پرستی کے محور پر اہل ایمان کی ایک عالمگیر برادری بناتا ہے اور ایک ایسی بین الاقوامی تحریک چلاتا ہے جو دنیا میں صدیوں سے دعوتِ حق پر لبیک کہہ رہی ہے اور انشا اللہ ابد تک کہتی رہے گی۔

اسلام کا نظام حیات

یہ پانچویں شری تقریریں جن پر ترجمان کا تازہ پرچہ مکمل ہے، عذراں بالا کیساتھ علیحدہ کتابی شکل میں بھی چھپ لی گئی ہیں۔ ضخامت پمفلٹ سائز میں ۶۵ صفحات کتاب کے گرویدہ زیب ماسٹل - قیمت ۱۰ روپے

مکتبہ جماعت اسلامی، اچھرہ، لاہور

سرمد عالم کا اصلی کارنامہ

[یہ تقریر ۱۲ ربیع الاول ۱۴۰۷ھ کو ریڈیو پاکستان لاہور سے نشر کی گئی تھی خادمہ عام کے لئے اس

میں احادیث کے اصل الفاظ ہم نے ساتھ ساتھ نقل کر دیے ہیں۔ یہ عربی عبارات نشر نہیں کی گئی تھیں]

دنیا جانتی ہے کہ نبی عربی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم انسانیت کے اس برگزیدہ گروہ سے تعلق رکھتے ہیں جو قدیم حرمین زمانہ سے نوع انسانی کو خدا پرستی اور حسن اخلاق کی تعلیم دینے کے لئے اٹھتا رہا ہے۔ ایک خدا کی بندگی اور پاکیزہ اخلاقی زندگی کا درس جو ہمیشہ سے دنیا کے پیغمبر رشی اور مہنئی دیتے رہے ہیں یہی حضرت نے بھی دیا ہے۔ انہوں نے کسی نئے خدا کا تصور پیش نہیں کیا ہے اور نہ کسی نئے اخلاق ہی کا سبق۔ بلکہ جو ان سے پہلے کے رہبران انسانیت کی تعلیم سے مختلف جو۔ پھر سوال یہ ہے کہ ان کا وہ اصلی کارنامہ کیا ہے جس کی بنا پر ہم انہیں تاریخ انسانی کا سب سے بڑا آدمی قرار دیتے ہیں؟

اس سوال کا مختصر جواب یہ ہے کہ بیشک آنحضرت سے پہلے انسان خدا کی ہستی اور اس کی وحدانیت سے آشنا تھا، مگر اس بات سے پوری طرح واقف نہ تھا کہ اس فلسفیانہ حقیقت کا انسانی اخلاقیات سے تعلق ہے۔ بلاشبہ انسان کو اخلاق کے عمدہ اصولوں سے آگاہی حاصل تھی، مگر اسے واضح طور پر یہ معلوم نہیں تھا کہ زندگی کے مختلف گوشوں اور پہلوؤں میں ان اخلاقی اصولوں کی عملی ترجمانی کس طرح ہونی چاہیے۔ خدا پر ایمان، اصول اخلاقی اور عملی زندگی، یہ تین الگ الگ چیزیں تھیں جن کے درمیان کوئی منطقی ربط، کوئی گہرا رشتہ اور کوئی نتیجہ خیز رشتہ موجود نہ تھا۔ یہ صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جنہوں نے ان تینوں کو ملا کر ایک نظم و دیار اور ان کے امتزاج سے ایک مکمل تہذیب و تمدن کا نقشہ محض خیالی کی دنیا ہی میں نہیں بلکہ عمل کی دنیا میں بھی قائم کر کے دکھا دیا۔

انہوں نے بتایا کہ خدا پر ایمان محض ایک فلسفیانہ حقیقت کے مان لینے کا نام نہیں ہے بلکہ اس ایمان کا مزاج اپنی عین فطرت ہی کے لحاظ سے ایک خاص قسم کے اخلاق کا تقاضا کرتا ہے اور اس اخلاق کا ظہور انسان